ڈاکٹر قاری محمد طاہر "مدیر اخبار الرابطہ"
عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان

ان الساعة لاتية

مفتی زین العابدینؒ

بالآخر شدنی ہو کر رہی۔ کئی مہینوں کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا' موت سے کسے مفر ہے۔ جو آیا' اس کا آنا' جانا ہی ٹھہرا..... تیرا آنا تھا مگر تمہید جانے کی۔

مفتی زین العابدینؒ کچھ عرصہ صاحب فراش رہنے کے بعد اپنے اس مالک سے جا ملے جس کی وحدانیت وطاقت کا پرچار عمر بھر کرتے رہے' دنیا کی ہر چیز کی نفی' اصل حقیقت اللہ کی ذات اور فکرِ آخرت' یہ تین موضوع انکی عمر بھر کی تقاریر کا محور تھے۔

15 مئی وقت موعود تھا' آن پہنچا' فرشتہ اجل نے آپ کے در پر دستک دی' مفتی صاحب نے لبیک کہی' اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ یہ پچاس کی دہائی کی بات۔ فیصل آباد ابھی فیصل آباد نہیں بنا تھا بلکہ لائلپور تھا' شہر کی جامع مسجد میں عصر کی نماز حافظ عبدالخالق مرحوم نے پڑھائی تھی۔ نمازیوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ "نئے خطیب صاحب آ گئے ہیں" دعا کے بعد سب کی نگاہیں پہلی صف کی طرف اٹھ گئیں' لمبا قد' کالی گھنی داڑھی' سفید اونچی ٹوپی' چارخانہ والی لنگی' سفید لمبا کرتہ' چہرہ پر عالمانہ وقار' سنجیدگی اور متانت۔ یہ تھے مفتی زین العابدین۔ لوگ دیوانہ وار مصافحہ کر رہے تھے۔ مفتی صاحب پروقار اور دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ہر ایک سے ہاتھ ملاتے اور وعلیکم السلام کہہ رہے تھے۔ آپ جامع مسجد کلاں کچہری بازار لائلپور میں بطور خطیب تشریف لائے تھے۔ آپ سے قبل اس مسجد میں مولانا مفتی محمد یونس مرحوم خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ موصوف مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ راقم کے استاد تھے' تقریر میں علمیت' انداز خطابت میں جاذبیت تھی' لہجہ میں چاشنی کہ سننے والا ماحول سے بے خبر ہو جاتا' اور مزید سنتے ہی رہنے کا احساس لے کر اٹھتا تھا' تقریر کو موقع بہ موقع برمحل اشعار سے مزین کرتے' کوثر وتسنیم سے دُھلی زبان میں الفاظ کا انتخاب اور تراکیب کا استعمال دل میں گھر کر جاتا تھا' مفتی محمد یونسؒ میانہ قد' خوش رو اور خوش گفتار' پروقار انسان تھے' سر پر عمامہ باندھتے۔ سراپے سے علمی وجاہت ٹپکتی تھی۔

مفتی محمد یونسؒ کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ مولانا شبیر احمد عثمانی مسجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے' ان کا تقرر عارضی تھا' میں نے بعض شناسانِ رازِ درون خانہ سے سنا کہ تین نام اختتامیہ کے زیر غور تھے۔ ایک مفتی زین العابدین کا دوسرے مولانا شبیر احمد عثمانی کا تیسرے مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا۔ قرعہ مفتی زین العابدین کے نام نکلا۔ اور اس طرح آپ لائلپور کی بڑی جامع مسجد کے خطیب بن کر لائلپور تشریف لائے جو کہ اب فیصل آباد ہے۔

حضرت مفتی صاحب مستقل مزاج آدمی تھے اور مستقل رہے' آپ نے اپنی حیات مستعار کا بیشتر حصہ اسی مسجد کے

ساتھ گزارا' اور اسی تعلق کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے۔ وہ قال کے نہیں حال کے بندے تھے۔ مفتی محمد یونس مرحوم کی دلکش اندازِ تقریر کے بعد ان کے مقام پر ٹھہرنا آسان بات نہ تھی' لیکن مفتی زین العابدین مرحوم نے اپنی وجاہت علمی اور عملیت کی بناء پر مختصر عرصہ ہی میں اپنا مقام پیدا کرلیا۔ پورے شہر کے لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہجوم عاشقاں بڑھتا رہا اور بڑا قافلہ بن گیا۔

مفتی صاحب کے ہاں اسلام کا تصور عمل اور صرف عمل تھا' آپ دارالعلوم ڈھابیل کے فارغ تھے۔ اور قائداعظم محمد علی جناح کے دست راست مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے فیض یافتہ تھے' تعلیم سے فراغت کے بعد آپ اپنے لئے میدان عمل کی تلاش میں تھے۔ یہ زمانہ مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک کا ابتدائی دور تھا۔ یہ تحریک تبلیغی جماعت کے نام سے موسوم تھی' مفتی صاحب کے نزدیک دین محض نظریہ کا نام نہیں بلکہ وارداتِ زندگی کا نام ہے' کیونکہ نظریہ بغیر عمل ایک قیاس ہے ایک سوچ ہے اور عمل کے بغیر سوچ ایک فلسفہ تو ہوسکتی ہے مگر زندگی کا دھارا نہیں بدل سکتی۔ زندگی کا دھارا بدلنے اور فکر وعمل کی دنیا آباد کرنے کے لئے مفتی صاحب ایک ایسی درسگاہ قائم کرنے کے متمنی تھے جس میں قدیم وجدید علوم کی تدریس ہوتی ہو۔ اپنے اس عندیہ کا اظہار انہوں نے راقم سے بھی کئی مرتبہ کیا' چنانچہ انہوں نے اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لئے ''القاسم'' نام سے ایک اسکول قائم کیا۔ یہ سکول پیپلز کالونی میں شروع کیا گیا تھا لیکن مفتی صاحب کی خواہش کے مطابق اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی۔ تو آپ نے اپنی توجہ ایک بڑے دینی مدرسہ کے قیام کی طرف مبذول کی۔ مختلف اہل خیر کے تعاون سے چک ۲۴ میں ایک بڑا قطعہ اراضی حاصل کیا گیا جو آج دارالعلوم فیصل آباد کے نام سے پاکستان کا معروف دینی ادارہ ہے۔ اس دینی ادارہ کی وجہ سے پیپلز کالونی نمبر۲ کے نام سے بڑی آبادی معرض وجود میں آچکی ہے۔

جب یہ قطعہ اراضی حاصل کیا گیا تو یہ جگہ شہر سے بہت دور تھی۔ چاروں طرف ہرے بھرے کھیت موجود تھے' مفتی صاحب مرحوم کی نظر انتخاب بطور استاد قاری نذیر احمد پر پڑی۔ قاری نذیر احمد بڑے اجلہ استادوں میں سے تھے' قاری صاحب بھی چند برس پیشتر اللہ کو پیارے ہوگئے' مرحوم کے بقول مفتی صاحب مجھے لیکر مذکورہ جگہ پر گئے اور فرمایا بس اس جگہ بیٹھ جاؤ اور کام شروع کرو۔ دل نے کہا کہ اس اجاڑ اور بستی سے ہٹی ہوئی جگہ پر کون آئیگا؟ لیکن مفتی صاحب کا حکم تھا میں نے بلا چون وچرا قبول کیا۔ ایک مٹی کی چھاگل اور دو چٹائیوں پر مشتمل مدرسہ شروع ہوگیا۔

اب بحمد للہ اسی جگہ سے قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں فضا میں گونجتی ہیں اور برسوں سے گونج رہی ہیں اور مستقل گونجتی رہیں گی۔ مفتی صاحب کا یہ وہ صدقہ جاریہ ہے جو ان کی حسنات میں تاابد اضافہ کا موجب بنتا رہے گا۔

مفتی صاحب نفیس الطبع ہونے کے ساتھ ساتھ نفیس اللباس بھی تھے۔ ہمیشہ سفید لباس ہی زیب تن کرتے' ان کا یہ عمل دراصل سنت نبوی کی پیروی کے تحت تھا' رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے لئے سفید لباس اور عورتوں کیلئے رنگدار لباس پسند فرمایا تھا۔ آپ کی شخصیت میں اتنی جاذبیت تھی کہ بہت سے علماء نے شعوری اور غیر شعوری طور پر آپ کی وضع قطع اور آپ جیسا لباس اختیار کرلیا۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا آپ کی زندگی کا معمول رہا۔ اس معمول میں شاید ہی کبھی تعطل آیا

ہو، جامع مسجد میں اس مقصد کے لئے آپ کی جگہ مخصوص تھی۔ ہال کمرے کے دائیں کونے میں آپ کا مقام اعتکاف تھا، اہل مشاہدہ گواہ ہیں کہ جامع مسجد میں اعتکاف کی رونقیں آپ کی ذات ہی کی رہین منت تھیں، آخری عشرہ میں مسجد بھر جاتی بلکہ دیگر مساجد میں بھی کثرت اعتکاف کی ریت چل نکلی، رمضان کے آخری عشرہ میں مساجد میں آبادی میں کثرت ہو جاتی، شب بیداری سحر خیزی اور آہ و بکا سے مسجد میں سماں بندھ جاتا تھا، اور قرن اول کی یادیں تازہ ہوتی تھیں، قرآن کی سماعت کا شوق آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا، تمام تراویح کھڑے ہو کر ادا کرتے۔ طبیعت کی ناسازی اور بیماری بھی اس معمول میں حارج نہ ہوتی تھی۔

آپ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کا حلقہ وسیع تھا۔ اصحاب العقد والخصیم کی بھی کمی نہ تھی، لیکن آپ الحب للہ والبغض للہ پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ بہی خواہوں سے بھی محبت کرتے اور منفی جذبہ رکھنے والوں کے لئے بھی ان کا سینہ کھلا تھا، ایک رمضان ہی کے آخری عشرہ کی بات ہے۔ ایک نوجوان اصحاب العقد کے منفی تذکروں سے متاثر ہوا۔ وضو کے دوران مفتی صاحب پر چڑھ دوڑا۔ چھری سے وار کیا۔ مفتی صاحب گردن پر ہاتھ رکھے مسح کر رہے تھے۔ چھری ہاتھ کی انگلیوں کو چیر گئی۔ گردن بچ گئی۔ لوگوں نے نوجوان کو پکڑا۔ مارنے لگے۔ مفتی صاحب نے روک دیا۔ نہ پرچہ نہ رپٹ۔ نہ گلہ نہ شکایت۔ فرمانے لگے فاتر العقل ہے۔ مجھے سمجھا نہیں میں نے معاف کر دیا۔ اللہ کا حکم فاعفوا واصفحوا ہے۔ ''معاف کرو درگزر سے کام لو'' آئندہ کے لئے احتیاطی تدبیر صرف یہ اختیار کی کہ اعتکاف کے لئے مسجد کی بالائی منزل پر بیٹھنے لگے۔ کبھی کبھار مجلس میں اس واقعے کا ذکر چھڑ جاتا تو خوش طبعی سے فرماتے۔ لوگ گردن پر مسح کے بارے میں فقہی موشگافیاں کرتے رہیں۔ دیکھئے گردن پر مسح کے فائدے کتنے ہیں۔ اسی مسح پر عمل نے میری جان بچائی۔ مسح کرنے والے ہاتھ پر بلا ٹلی۔ گردن بچی۔

مفتی صاحب خوش رہتے۔ دوسروں کو خوش رکھتے۔ مفتی صاحب تکثیرِ کلام اور تکثیرِ طعام کے قائل نہ تھے۔ ضرورت کے مطابق مختصر گفتگو کرتے۔ اس معاملے میں انکا عمل رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق تھا۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ، انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے۔ کام کی بات کرے۔ ان کا طعام برائے زندگی تھا نہ کہ زندگی برائے طعام..... تقلیلِ کلام کی کیفیت یہاں تک تھی کہ مخاطب کو کبر کا دھوکہ لگتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ اہل حفظ اللسان اور کف اللسان کا آئینہ دار تھا، تاکہ انسان زبان کی آفتوں سے بچا رہے۔

مفتی صاحب سیاسی آدمی نہ تھے لیکن سیاست کو بھی جانتے تھے اور سیاستدانوں کو بھی، بعض سیاست کار مطلب برآری کے لئے آتے۔ آپ بات کا رخ تبلیغ کی جانب کر دیتے۔ وقت کی وصولی کا مطالبہ اس انداز سے کرتے کہ سیاست کار چوکڑی بھول جاتے اور جان چھڑانے ہی میں عافیت خیال کرتے۔

بعض لوگ پاکستان کے حکمران جنرل ضیاء الحقؒ سے سیاسی اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان کی اسلام دوستی پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ پابند صوم وصلوٰۃ اور اسلامی شریعت کے پابند حکمران تھے۔ صالح قیادت کی جملہ خوبیاں ان کی ذات میں اللہ نے جمع کر دی تھیں۔ ان کا قبلہ نیویارک، واشنگٹن اور لندن نہ تھا بلکہ وہ ہمیشہ مکہ و مدینہ کا رخ کرتے۔

ع　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

مرحوم روضہ رسول پر حاضری دیتے۔ کوئی پوچھتا تو جواب دیتے ''دل کی بیڑی جب کمزور پڑتی ہے تو میں حرمین کا

رخ کرتا ہوں کہ دل کی بیڑیاں وہیں چارج ہوتی ہیں'' وہ علماء کے بہت زیادہ قدردان تھے۔ضیاء الحقؒ کے دور حکمرانی میں مفتی صاحب کی رسائی قصر صدارت تک ہوئی' مفتی صاحب نے کبھی اس کو اپنے لئے اعزاز کا ذریعہ نہ سمجھا۔صدر سے ملاقات ہو یا وزراء سے بس ایک ہی دھن تھی' اعلائے کلمۃ اللہ' صدر سے لے کر قصر صدارت کے چوکیدار تک سب کو متقی بنانے کی فکر کرتے۔کم لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہے کہ ضیاء الحقؒ نے مفتی صاحب کا نام سرکاری اعزاز عطا کرنے کے لئے منتخب کیا۔چنانچہ سرکاری نمائندے مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔مفتی صاحب آپ کا نام تمغہ خدمت کے لئے تجویز ہوا ہے۔آپ براہ کرم اپنے کوائف دیجئے اور فلاں تاریخ کو اسلام آباد وصولی تمغہ کے لئے تشریف لائیے'' مفتی صاحب بغیر کسی توقف کے گویا ہوئے۔ ''میں اپنی مساعی کا اجر دنیا میں لینا ہی نہیں چاہتا' اللہ کے دین کی خدمت اللہ ہی کیلئے کرتا ہوں۔ان اجری الا علی اللہ سرکاری ہرکارے جواب سن کر ساکت ہو گئے۔فائلیں بند کیں اور چل دیئے۔

مفتی صاحب کی خصوصیات بے شمار اور لازوال ہیں کوئی کہاں تک لکھے' قلم شکستہ' دل گرفتہ' یہ وہ خصوصیات ہیں جو شعور اور ادراک کی گرفت میں آئیں۔شعور وادراک احساس ومشاہدے سے ماوراء بہت خصوصیات وہ ہیں۔جہاں آنکھ کا کام ہے نہ کان کا۔وہ اللہ و بندے کا باہم معاملہ ہے۔

میان عاشق ومعشوق رمزے است کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

سحر خیزی' اللہ سے راز ونیاز' آہ وبکا' گریہ وزاری' دل کی کیفیت آنکھوں سے جھڑتے اشک' اللہ کے ہاں موتیوں کی مانند ہیں۔جن کا علم صرف اور صرف اللہ کو ہے' اللہ اور بندے کے مابین نسبتوں کو مفتی صاحب سینہ میں دفن کر کے اپنے مدفن تک پہنچ چکے ہیں۔

مفتی زین العابدین عابدین کی زینت تھے' اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والوں کی آبرو تھے' اللہ ہی کے لئے جئے اور اللہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوئے' ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآں گواہی دیتا ہے' قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین۔

سال بھر پہلے کی بات ہے کہ مولانا زاہد الراشدی گوجرانوالہ سے تشریف لائے گھر پر علمی نشست ہوئی۔اختتام پر مفتی صاحب سے ملنے کا عندیہ ظاہر فرمایا۔صاحبزادہ طارق محمود بھی تشریف لے آئے۔ہم تینوں مفتی صاحب کے گھر حاضر ہوئے' وقت نماز مغرب کے بعد کا تھا' ان دنوں مفتی صاحب علیل تھے گھر پر ہی تھے تمام مصروفیات متروک تھیں' اطلاع ملی تو فوراً ہی اپنے کمرہ میں بلا لیا۔یہ میری ان کے ساتھ آخری ملاقات تھی' کمزوری کے آثار چہرہ سے ہویدا تھے' تپاک سے ملے خوشی کا اظہار فرمایا' زیادہ گفتگو مولانا راشدی صاحب ہی نے فرمائی۔مفتی صاحب بہت آہستہ گفتگو فرما رہے تھے۔آواز نحیف تھی' لیکن غالب غم مسلم امہ ہی کا تھا۔فرمانے لگے اللہ تو ہر وقت ہمیں نوازنے پر تیار ہے۔ہماری طرف سے طلب کی کمی ہے' جیسے مانگنا چاہیے ہم مانگتے نہیں' اللہ کی عطا جود وسخا اور توحید الٰہی کا یہ قلبی استحضار اس محبت کا نتیجہ تھا جس میں مرحوم نے اپنی جوانی اور بڑھاپے کے ایام کو صرف کیا' یہ فکر ان کی زندگی کا محور بن چکی تھی۔

مفتی صاحب قلم اور قول کے نہیں بلکہ علم و عمل کے آدمی تھے۔ اس لئے ان کا تحریری سرمایہ زیادہ نہیں۔ ۱۹۵۶ء میں تبلیغی جماعت کے امیر مولانا محمد یوسفؒ کا انتقال ہوا' ان کے حوالے سے انہوں نے ایک مضمون لکھا جو بعض جرائد کی زینت بنا' لیکن مفتی صاحب تحریری سرمائے کی بجائے عملی سرمائے کی دنیا آباد کر گئے' شرق ہو یا غرب' شمال ہو یا جنوب' ربع مسکون کا کوئی گوشہ شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے جہاں مفتی صاحب سے علمی اور عملی فیض اٹھانے والے آباد نہ ہوں۔

وہ لا الٰہ کے وارث تھے' الا اللہ کی ضرب لگاتے تھے' جو دلوں پر اثر کرتی اور زندگیوں کے رخ پلٹ جاتے' مفتی صاحب ماحول کے اثرات سے بے پرواہ ہو کر دعوت دیتے' مخاطب کون ہے کیسا ہے۔ آپ کو اس سے غرض نہ تھی' آپ کا یہ عمل اس شعر کا مصداق تھا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

مفتی صاحب نے اس لا الہ الا اللہ کی صداء مسجد و محراب میں بھی بلند کی' ایوانِ بالا اور قصر صدارت کو بھی اس کی گونج سے منور کیا اور دنیا کے تمام گوشوں کو روشن کر گئے۔

آپ کا انتقال 15 مئی کی سہ پہر کو ہوا۔ میت لاہور سے فیصل آباد لائی گئی۔ 16 مئی کو آپ کی نماز جنازہ آپ کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم فیصل آباد سے متصل پہاڑی والی گراؤنڈ میں ادا کی گئی۔ انسانوں کا سمندر جوق در جوق اشکبار آنکھوں کے ساتھ میدان کی طرف رواں دواں تھا' گرمی شدت کی تھی' لیکن جنازہ اللہ والے کا تھا' میت میدان میں کیا آئی۔ آسمان کو ہلکے بادلوں نے گھیر لیا' ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تمام حاضرین و مشارکین کی طبیعتوں کو سیراب کرنے لگے۔ گرمی نام کو نہ رہی۔

وقت کی پابندی کے ساتھ نماز جنازہ کے لئے صفیں درست ہوئیں' آپ کے صاحبزادے یوسف اول نے نماز جنازہ کی امامت کرائی۔ رندھی آواز اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ تکبیرات جنازہ کہیں۔ نماز جنازہ مکمل ہوئی۔ رئیس المبلغین کا جسد خاکی مدفن تک لے جانے کی غرض سے گاڑی میں رکھا گیا۔ لوگ منتشر ہو گئے۔ آسمان پر چھائے بادلوں نے بھی بساط لپیٹی' رخصت ہوئے' پھر وہی گرمی' وہی دھوپ' وہی تمازت شروع ہو گئی۔ سچ ہے مقربین بارگاہ الٰہی کے لئے اللہ غیب سے آرام و راحت کا اہتمام کرتا ہے' مفتی صاحب کو شہر کے بڑے قبرستان میں دفن کیا گیا' دفن نہیں سپرد رحمت الٰہی کیا گیا۔

نماز جنازہ کے اختتام پر ایک صاحب نے راقم سے سوال کیا' علماء سے سنا ہے کہ دوران نماز ہنسی آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے' قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو بھی باقی نہیں رہتا' گریہ' اگر خشیت الٰہی سے آئے تو مقبول و محمود۔ لیکن گریہ کا سبب رنج و غم ہو اور آنسو بہہ پڑیں تو نماز باقی رہتی ہے' یا نہیں؟ اس کی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر ٹھہر گئیں' میں نے انتظام جواب کا اشارہ دیکھا تو کہا میں نہ عالم' نہ مفسر' نہ محدث' نہ فقیہہ۔ اس کا جواب اہل منصب سے لیجئے' اہل علم سے مانگئے اور گھر چلا آیا۔

اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک یا ارحم الراحمین۔